حریت فرد کا اسلامی تصور

محمد حماد لکھوی*

حریت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آزادی کے کیے جاسکتے ہیں کیونکہ عام طور پر یہ لفظ "عبدیت" (غلامی) کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور "لسان العرب" میں لفظ حریت کی یوں تشریح کرتے ہیں

الحر بالضم : نقیض العبد' والجمع احرار و حرار
والحرة' نقیض الامة' والجمع حرائر
و حرره : اعتقه
المحرر' الذی جعل من العبید حرا فاعتق
و تحریر الولد : ان یفرده لطاعة الله عزوجل و خدمة المسجد(۱)

امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لفظ حریت کی یوں تشریح کی ہے۔

الحر' عبد کی ضد ہے حریہ : آزادی' کسی کا غلام نہ ہونا
حررت القوم : میں نے انہیں قیدخانہ سے رہا کردیا۔
حرالوجه : وہ شخص جو احتیاج کے پنجے میں گرفتار نہ ہوا۔
التحریر : کسی انسان کو آزاد کرنا ہیں۔

مجاہد نے محررا کے معنی خادم' معبد کے کیے ہیں۔ امام جعفرؒ نے کہا ہے کہ محررا کے معنی امور دنیوی سے آزاد ہونا ہے(۲)

المنجد میں حریت کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے : حر - (س)' حرارا آزاد ہونا
حریة شریف الاصل ہونا' خاندانی شریف ہونا۔
حررا العبد غلام کو آزاد کرنا۔

---

* ادارہ علوم اسلامیہ' جامعہ پنجاب لاہور

تحرز العبد (غلام کا آزاد ہونا)

الحریة و الحرورة و والحروریة و تضم الحاء فیھا (۳)

جبران مسعود کے مطابق :

الحریة مصدر حریحر ہے۔ یعنی

۱۔ القدرة علی التصرف بمل الارادة و الخیار

۲۔ الخلوص من العبودیة او اللوم او نحوھما (۴)

حریت کے لیے اردو میں آزادی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ انگریزی لفظ "Freedom" کا ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی میں آزادی کے لیے "Liberty" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ لاطینی لفظ Liber سے ماخوذ ہے۔

Freedom کی تشریح انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی میں اس طرح کی گئی ہے :

In the history of philosophical and social thought "Freedom" has a specific use as a moral and a social concept to refer either to circumstances which arise in the relations of man to man or to specific conditions of social life. Even when so restricted important differences of usage are possible and moot of the policitcal or philosophical arguments about the meaning or the nature of the freedom is concerned with the legitemacy or convenience of particular applications of the term.(۵)

انگریزی لفظ Liberty کے مفہوم کو انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز میں یوں واضح کیا گیا ہے :

The basic idea of "Liberty" as a part of the armory of human ideal goes back to the Greeks and is born as the funeral oration of Pericles makes abundantly clear of two nations, the ifrst is the protection of the group from attack, the second is the ambition of the group to realize itself as fully as possible. In such an organic society

the concept of individual liberty was virtually unknown. But when the city state was absorbed by the idea of empire new elements came into play.[6]

اگر ہم آزادی کے لفظ کو انسانی زندگی پر منطبق کر کے دیکھیں تو ہمیں یہ دو پہلوؤں میں تقسیم ہوتا نظر آئے گا۔ یعنی ظاہری آزادی اور باطنی آزادی (حریت عمل اور حریت فکر)۔ حریت فکر یا باطنی آزادی کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ انسان آزادانہ طریقے سے کسی بھی پہلوئے حیات پر غور و فکر کر سکے اور انفس و آفاق کے بارے میں اپنی عقل و خرد کے مطابق جیسی رائے چاہے قائم کر سکے۔ جہاں تک آزادی کے دوسرے پہلو کا تعلق ہے اس پر دوسرے مفکرین کے علاوہ مغربی مفکرین نے بھی اظہار خیال کیا ہے۔ صلاح الدین ناسک نے اپنی کتاب "افکار سیاسی مشرق و مغرب" میں مغربی تصور آزادی پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے بقول ایک مغربی مفکر برن ڈی مونتسکیو لیو (Baron D Montesquleu) اپنی تصنیف "روح قوانین" میں آزادی کی دو صورتیں بتاتا ہے۔

مطلق آزادی اور آزادئی میانہ روی یامعتدلانہ آزادی۔

مطلق آزادی وہ ہے جس کے تحت انسان مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے اور آزادی کی دوسری قسم وہ آزادی ہے جس کی اجازت قانون' افراد کو دیتا ہے۔ "لاسکی" کے خیال میں آزادی اور حقوق ناقابل تقسیم ہیں انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ آزادی کو وہ فرد کی شخصیت کے ارتقاء کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔[7] "ہیگل" آزادی کو انسان کی فطری صلاحیت سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ فرد کی آزادی کو جھٹلانا یا غصب کرنا انسانیت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ غلام ہونا نہ تو کسی کا حق ہے اور نہ ہی کسی کو اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے[8] "جان لاک" کے نزدیک آزادی کا مطلب تمام ضابطوں سے الگ ہو کر قانون فطرت کا تحفظ کرنا ہے۔ وہ قانون فطرت جو انسانی آزادی کو حقیقت بناتا ہے۔ یعنی انسان کو ان تمام قوانین کی حدود کے اندر جو پہلے سے موجود ہیں' اپنے اعمال اور املاک کے بارے میں مکمل آزادی ہو۔ ایک اور مغربی مفکر "گرین" کے مطابق انسان کی صحیح آزادی یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والوں یعنی دیگر انسانوں اور بحیثیت مجموعی معاشرے کو اولیت دے اور ان کی بہبود کا خاص خیال رکھے۔ اگر اس کے ساتھی اور معاشرہ خوشحال ہوگا تو فرد بھی خوشحال ہوگا۔ "گرین" فرد کو ایک قطرہ تصور کرتا ہے جو اپنی اہمیت کا اندازہ تنہا نہیں بلکہ سمندر میں رہ کر ہی لگا سکتا ہے۔ تھامس ہابس (Thomas Hobbes) کے مطابق فرد کی آزادی اس کا قانونی حق ہے۔ ریاست اس کا تحفظ کرتی ہے۔ "گرین" نے بھی

آزادی کی تعریف میں ریاست کی دخل اندازی کو خاص اہمیت دی ہے۔ وہ جس آزادی کی بات کرتا ہے وہ مادر پدر آزادی نہیں بلکہ چند پابندیوں کو تسلیم کرنے کے بعد مخصوص دائرے میں ہے۔ یہ مخصوص دائرہ "گرین" کے خیال میں ریاست ہے اور یہ پابندیاں قانون ہے جو ریاست فرد پر لگاتی ہے۔ گرین کے خیال میں یہ پابندیاں دراصل انفرادی آزادی کے استحکام اور فرد کی خوشحالی کے لیے ہوتی ہیں۔[۹]

اسلام نے آزادی کا جو تصور دیا ہے اس میں بھی فرد کی حیثیت اسپ بے لگام کی طرح نہیں ہے بلکہ اس پر کچھ حدود و قیود ہیں لیکن یہ حدود و قیود ان پابندیوں سے سراسر مختلف ہیں جن کا تذکرہ مغربی مفکرین نے کیا ہے۔ اسلام کی لگائی ہوئی پابندیاں کسی انسانی ذہن کی اختراع یا کسی حکمران کا فیصلہ نہیں کہ جس میں فرد دوسرے انسانوں یا ریاست کا غلام بن کر رہ جائے۔ بلکہ یہ پابندیاں الہامی تعلیمات کے ذریعے ایک قادر مطلق ہستی کی طرف سے ہیں جن کا اصل مقصد افراد کو افراد کی غلامی سے نجات دلانا ہے اور یہی فرد کی آزادی کی معراج ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں کہ آزادی کے معنی صرف غیر قوموں کی غلامی سے آزاد ہونا ہی نہیں ہے، بلکہ خود اپنی قوم کے جباروں سے بھی آزاد ہونا ہے۔"[۱۰] گویا سید مودودی کا یہ قول اسلام کے مقصد آزادی کی ہی وضاحت کر رہا ہے کہ انسان کو انسان کی غلامی بلکہ تمام مخلوقات کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کی غلامی میں دے دیا جائے۔ تاکہ تمام افراد بحیثیت انسان آزاد ہوں اور برابری کی سطح پر کسی قسم کے خوف و جبر سے آزاد اپنی مرضی کے مطابق اعمال سرانجام دے سکیں۔ اللہ داد نادم عصری کے بقول آزادی ابن آدم کے لیے قدرت کی عطا کردہ ان گنت نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور انسانی برادری کے ہر رکن کو بلاامتیاز اس نعمت سے مستفید ہونے کا پورا پورا حق پہنچتا ہے۔[۱۱]

اسلام نے فرد کی زندگی میں چند حدود مقرر کر کے فرد کی آزادی کو محفوظ کر دیا ہے تاکہ تمام زیادتیوں کی روک تھام کر کے ہر فرد کو موقع فراہم ہو کہ وہ آزادانہ عمل کرے اور زندگی سے ہر ممکن حد تک فائدہ حاصل کرے مگر اس کا عمل نہ تو باعث تکلیف ہو اور نہ ہی اس کے عمل سے کسی کو زندگی کے مفادات حاصل کرنے کے مواقع میں تنگی ہو۔

اسلامی تصور آزادی میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو ایک فرد یا ایک طبقے کے مفادات کو پیش نظر رکھنے والے دنیاوی نظاموں میں سے کسی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ ان میں سے اولین خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کی عائد کردہ حدود (Limitations) فرد کے مفاد میں اس کی ذاتی اور شخصی حیثیت میں بھی ہیں اور اس حیثیت میں بھی ہیں کہ وہ سماج کا ایک حصہ ہے۔ اس کا فائدہ

یہ ہے کہ فرد جب عائد شدہ پابندیوں کے فوائد کو محسوس کر کے اپنی بعض خواہشوں کی تکمیل سے اس لیے باز آ جائے گا کہ ان کی تکمیل دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بن رہی ہے تو درحقیقت وہ اپنے آپ کو دوسروں کی خواہشوں کے پھیلاؤ سے پہنچنے والی اذیت سے بھی محفوظ کر لے گا اور خود اپنی بے کراں خواہشوں کے نتیجے میں آنے والی تباہی و بربادی سے بھی بچ جائے گا۔ الغرض اسلام انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان بڑا توازن رکھتا ہے' فرد کے بنیادی حقوق اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے' اس کی شخصیت کو نکھرنے کے مواقع دیتا ہے اور اس خیال کی شدت سے مخالفت کرتا ہے کہ افراد کی شخصیت' اجتماعیت یا ریاست میں گم ہوجانی چاہیے۔ اسلام نے جو بھی بندشیں عائد کی ہیں۔ اس کے دو پہلو ہیں جو بیک وقت کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک پہلو فرد کے مفاد میں ہوتا ہے۔ اور دوسرا پہلو سماج کے مفاد میں ہوتا ہے اسلام نے جو حدود سماجی بہبود کے لیے فرد پر لگائی ہیں' بعینہٖ وہی حدود خود اس کے وجود اور آزادی کے تحفظ' اور ذاتی فلاح کے لیے بھی لگائی ہیں۔ اس حیثیت سے اسلام کے تصور آزادی میں فرد اور معاشرے کے مفادات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اسلام نے جو آزادی فرد کو عطا کی ہے اسے سلب کرنے کا اختیار مخلوق میں سے کسی کو نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کا تو مقصد ہی غلامی سے نجات دلانا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و یضع عنهم اصرهم والا غلل التی کانت علیهم (۱۲)

اسلام کسی نبی کو بھی اختیار نہیں دیتا کہ وہ کسی کو اپنا غلام بنا لے یا کسی فرد کی آزادی کو نقصان پہنچائے۔ اللہ کی غلامی کے علاوہ اسلام کے نقطہ نظر سے فرد تمام قسم کی غلامیوں اور پابندیوں سے آزاد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ما کان لبشر ان یوتیه الله الکتب و الحکم و النبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله (۱۳)

اسلام نے پوری شرح و بسط کے ساتھ یہ بات سمجھا دی کہ وہ فرد کی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے بشرطیکہ وہ ایک بزرگ و برتر ہستی کے کیے فیصلوں کا اپنے آپ کو پابند بنا کر' افراد کے کیے ہوئے فیصلوں کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کر لے۔ ارشاد ہوتا ہے:

افغیر الله ابتغی حکما و هوالذی انزل الیکم الکتب مفصلا "(۱۴)

اسلام ہر انسان کو فرداً" فرداً" مسئول بناتا ہے اور اس کی انفرادی حیثیت متعین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره و من یعمل مثقال ذرة شرا یره (۱۵)

اسلام نے انفرادی حیثیت میں فرد کی مسئولیت کا جو معیار رکھا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی حیثیت میں آزاد ہے اور وہ اپنی دنیا یا آخرت بہتر بنانے کے لیے کوئی بھی کوشش کرنے میں پوری طرح آزاد اور خود مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی جبر نہیں کیا کہ وہ ایک خاص راستہ پر ہی چلے۔ بلکہ دونوں راستے بتائے۔ و ھدینہ النجدین[١٦]

اور پھر دونوں رستوں کے انجام کے متعلق بھی آگاہ کردیا اور اس کے بعد اسے ارادہ و اختیار کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جو راستہ چاہے اسے اختیار کرلے اور جس طرح کی وہ کوشش کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ یعنی انسان کو اس کی انفرادی حیثیت میں اپنی کوششوں کے انجام کا ذمہ دار ٹھہرایا:

و ان لیس للا نسان الا ما سعی و ان سعیه سوف یری[١٧]

اور اگر ان کوششوں اور فرد کے اپنے طرز عمل کی وجہ سے اس پر دنیا یا آخرت میں کوئی وبال پڑا' وہ دنیوی پریشانی' افراتفری اور ذلت کی صورت میں ہو یا اخروی جزا و سزا سے متعلق' اس کا ذمہ دار وہ خود ہے پورا معاشرہ نہیں۔

لا تزر وازرة وزر اخری[١٨]

الغرض اسلامی تعلیمات میں فرد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں تک فرد کے مقام کا تعلق ہے تو قرآن و حدیث فرد کو تمام مخلوقات میں ایک ارفع و اعلیٰ مقام دیتے ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ ابن عربی کے بقول "اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں کوئی انسان سے زیادہ احسن نہیں۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے حیات کے ساتھ عالم' قادر' متکلم' سمیع' بصیر' مدبر اور حکیم بنایا اور یہ سب صفات خود حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہیں۔[١٩] اسلامی تعلیمات میں مثبت انداز میں عظمت انسان کا تصور دیا گیا ہے۔ ایسے ارشادات و نصوص موجود ہیں جن سے مقام انسانی کا پتہ چلتا ہے۔ جیسے ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم[٢٠]

مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ اس کی جبلت و فطرت کو بھی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے احسن بنایا گیا[٢١]۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے:

و لقد کرمنا بنی ادم و حملنھم فی البر و البحر ورزقنھم من الطیبت و فضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا[٢٢]

اس آیت میں اولاد آدم کی اکثر مخلوقات پر فوقیت و افضلیت کا ذکر ہے۔ اکثریت پر افضلیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی باقی تمام مخلوقات اور جانوروں پر تو انسان کو فضیلت حاصل ہے ہی'

جنات، عقل و شعور میں انسان ہی کی طرح ہیں ان پر بھی انسان افضل ہے۔ رہا معاملہ فرشتوں کا' اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان میں عام مومنین اور صالحین (جیسے اولیاء اللہ) عام فرشتوں سے بہتر ہیں مگر خواص ملائکہ (جبرئیل' میکائیل وغیرہ) ان عام صالحین سے افضل ہیں اور خواص مومنین و صالحین (جیسے انبیاء کرام) خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ باقی رہے کفار و فجار انسان' تو وہ فرشتوں سے تو کیا افضل ہوں گے وہ تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

اولئک کالانعام بل ھم اضل (۲۳)

انسان کو مسجود ملائک بنایا گیا اور اتنی تکریم بخشی گئی کہ جس نے انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اس کو راندۂ درگاہ قرار دے دیا گیا۔

واذ قلنا للملائکۃ اسجدو لادم فسجدوا الا ابلیس... (۲۴)

انسان کو پیدا فرما کر اور تمام مخلوقات پر اتنی عزت و تکریم اور فضیلت و فوقیت دینے کے بعد زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کے لیے مسخر کردیں۔

الم تروا ان اللہ سخرلکم ما فی السموت و ما فی الارض (۲۵)

فرد کی انفرادی حیثیت کو اس حد تک تقدیس دی کہ اگر کوئی آدمی کسی ایک فرد کو قتل کر دے تو اسے اتنا بڑا جرم ٹھہرایا گیا کہ گویا اس نے پوری انسانیت کو مار ڈالا۔

فکانما قتل الناس جمیعا (۲۶)

اسی طرح اگر کسی ایک فرد کی جان کا تحفظ کیا تو یہ اتنا بڑا عمل ٹھہرایا کہ گویا اس نے پوری انسانیت کی زندگی بچا لی۔

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا (۲۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی بخاری و مسلم کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مگر جو چیز انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جامعیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو اس پر ڈالا گیا ہے' اس سے کوئی دوسری مخلوق سرفراز نہیں کی گئی۔" (۲۸)

محمد صلاح الدین لکھتے ہیں کہ اسلام نے احترام آدمیت پر غیر معمولی زور دیا ہے اور خدا کے بعد اسے کائنات کی سب سے محترم اور مکرم ہستی قرار دیا ہے۔ تخلیق آدمؑ کے واقعہ میں بتایا گیا ہے کہ خدا نے اس خاک کے پتلے میں اپنی روح پھونکی اور اسے مسجود ملائک بنایا۔ (۲۹)

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ نفس انسانی کے بارے میں اسلامی تعلیمات ایک مستقل اور منفرد نقطہ نظر رکھتی ہیں جو دیگر تمام افکار سے بنیادی اور اصولی طور پر مختلف ہے۔ اگرچہ یہ

ممکن ہے کہ بعض پہلوؤں میں فروعی طور پر کچھ مشابہت بھی پائی جاتی ہو۔ اسلام انسان کو انسان کی حیثیت میں سامنے رکھتا ہے۔ اسلام انسان کو خلاف طبیعت کام پر مجبور کرتا ہے اور نہ اس کے فطری میلانات کو کچلتا ہے' بلکہ وہ توازن اور اعتدال کے ساتھ فطرت انسانی کو مہذب بناتا ہے تا کہ فرد کی شخصیت فطری میلانات کے دباؤ اور اقدار عالیہ کے مطالبات کے درمیان بٹ کر نہ رہ جائے۔

اسلامی نقطہ نظر کے برعکس مغربی مفکرین اور فلاسفہ نے انسان کی قدر و منزلت کو اتنا گھٹایا کہ اسے جانوروں اور حیوانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ ارسطو نے کہا کہ انسان دو ٹانگوں میں والا جانور ہے۔ "ڈیکارٹ" نے کہہ دیا کہ انسان ایک ایسی مشین ہے جس میں روح موجود ہے۔ "روسو" نے انسان کی تعریف کی تو انسان کو ایک وحشی درندہ قرار دیا جسے سدھایا بھی جاسکتا ہے۔ "ھابز" نے انسانوں کو ایک دوسرے کے لیے بھیڑیا قرار دیا۔ "ھیوم" کے مطابق انسان کو ہمیشہ بدمعاش ہی تصور کرنا چاہیئے۔ "ڈارون" کے بقول انسان ایک اعلیٰ درجے کا حیوان ہے۔ "فرائڈ" نے کہا کہ انسان ایک ایسا جانور ہے جس کی جنسی جبلت منحرف ہو کر تباہی مچا دیتی ہے۔ اور "سارتر" نے کہا کہ انسان ایک ایسا جانور ہے جس کو عقل اور فہم سے بیگانہ بنا کر اس دنیا میں پھینک دیا گیا ہے۔ "حتیٰ کہ ہر ایک نے انسان کے بارے میں اپنی ذہنی پراگندگی کے مطابق اظہار خیال کیا اور انسان جو کہ مسجود ملائک اور اشرف المخلوقات ٹھہرایا گیا تھا اس کو رذیل ترین مخلوق گردانا یا پھر اگر بہت زیادہ تکریم دی تو کسی نے اعلیٰ درجے کا حیوان قرار دیا۔

ایک مصری مسلم مفکر محمد قطب تحریر کرتے ہیں کہ فرائڈ نے انسان کو جبلتوں اور خواہشوں کا مجموعہ بنا کر دراصل انسانیت کی تذلیل کی ہے۔ فرائڈ کی نظر میں انسان نہ اپنی مادی دنیا سے بالاتر ہوسکتا ہے اور نہ کسی فن کی تخلیق' فکر کی بلندی اور روح کی پرواز میں جبلی قیود سے آزاد ہوسکتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ جبلی قوت کی راہ میں کوئی زبردست رکاوٹ پیدا ہوجائے اور وہ شہوتوں کو ابھرنے سے باز رکھے۔ (۳۰) ڈارون کے نظریہ انسانی حیات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے محمد اسماعیل رقمطراز ہیں: "انسانی نفس' جبلی جذبات کے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہے۔ حیوانی جذبات آزاد مظاہرہ کے متقاضی ہیں لیکن اخلاق اور تہذیب کی مصلحتیں ان پر قیود اور پابندیاں عائد کرنا چاہتی ہیں۔ ان غیر فطری پابندیوں کے تحت دبے ہوئے جذبات ذہن انسانی میں گھٹن محسوس کرتے اور بغاوت پر مائل ہوتے ہیں لیکن تمدن کی کڑی بندشوں کی وجہ سے بغاوت کا مظاہرہ نہیں کرسکتے لہٰذا وہ ایک نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ تحت الشعور میں یہی غیر مختتم کشمکش نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں کا باعث بنتی ہے۔" (۳۱)

ڈارون کے نظریات نے انسان کی روحانی اقدار کو مجروح کیا اور فرائڈ کے نظریات نے اخلاق حمیدہ پر تیشہ چلایا تو کارل مارکس (Karl Marks) نے سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش کو ہوا دی اور انسانیت کے ناطے فرد کی آزادی کی جنگ لڑنے کی بجائے مزدور کی آزادی کا نعرہ لگایا اور سرمایہ دار کے خلاف اعلان جنگ کر کے انسانیت کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔ ہندو دھرم نے تو پہلے ہی انسانوں کے مختلف درجے (برہمن' ویش' کھشتری' شودر) وضع کر کے ان کے لیے الگ الگ دائرہ فکر و عمل مقرر کر رکھا ہے۔ اور ان تنگ دائروں سے باہر نکلنے کی کوشش کرنا گویا انسانیت کی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کرنا ہے۔ اور اس کے لیے کڑی سزائیں بھی رکھی گئی ہیں۔ کوئی کام اپنی مرضی سے اور آزادی سے سرانجام دینا تو بہت دور کی بات ہے' اگر بے چارے شودر کے کان میں نہ چاہتے ہوئے بھی "وید مقدس" کی آواز پڑ جائے' جسے تلاوت کرنا صرف برہمن کا حق ہے' تو وہ شودر اس لائق ٹھہرا کہ اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ بدھ دھرم اور جین دھرم نے صرف اس انسان کو لائق احترام سمجھا جو مخصوص روپ سادھ کر ترک دنیا کرے۔ یہودیت احترام آدمیت کا نعرہ لگا کر میدان عمل میں آئی تو یہود کی نظر میں بھی صرف وہ چند افراد ہی قابل عزت ٹھہرے جو نسلاً یہودی ہوں۔ اور اس نے آج تک کسی غیریہودی کو محترم انسان بننے کی اجازت نہ دی۔ عیسائیت آئی تو اس نے معصوم انسان کو پیدائشی طور پر گناہ گار قرار دے کر احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

عیسائیت میں فرد کی حیثیت کے بارے میں غلام احمد پرویز لکھتا ہے : "عیسائیت کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہر انسانی بچہ اپنے اولین ماں باپ (آدمؑ و حواؑ) کے گناہ کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے دنیا میں آتا ہے اور اس کے بعد یہ اس کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ اس بوجھ کو کسی طرح بھی اپنے اوپر سے اتار دے۔ بجز اس کے کہ وہ حضرت مسیحؑ کے صلیبی کفارہ پر ایمان لائے۔ کیا آپ ان انسانوں کو جن کا دل ہر وقت اس احساس سے کچلا جا رہا ہے کہ ہماری کمر پر گناہوں کا ایسا پچھتاوہ ہے جسے ہم کسی طرح اتار ہی نہیں سکتے' آزاد انسان کہہ سکتے ہیں؟ کیا ایسا بے بس' بے کس' مجبور اور مقہور انسان' جو اس قدر انسانیت کش بوجھ کے نیچے دب رہا ہو اور پھر اس میں اتنی قوت بھی نہ ہو کہ وہ اس بوجھ کو اتار پھینکے' دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو سکتا ہے؟ کیا اسے کبھی بھی قلبی آزادی کی حقیقی مسرت نصیب ہو سکتی ہے؟ یہ تھیں وہ محکم زنجیریں جن میں عیسائیت کا ہر فرد جکڑے ہوئے تھا اور اب تک جکڑے ہوئے ہے۔[۳۲]

اسلام ایک دین کامل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ فرد کی زندگی کو بہترین' باعزت اور بامقصد بنانے کے لیے انسانی زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتا جس کے بارے میں ہدایات نہ دی

ہوں۔ اسلام فرد کو زندگی گزارنے کے لیے پورے حقوق اور آزادی دیتا ہے لیکن اس نے فرد کی آزادی کا ایک ضابطہ مقرر کیا ہے جو آزادی فرد کے تحفظ کا ضامن ہے تاکہ معاشرہ میں توازن و اعتدال برقرار رہے۔ اسلام کا بلند تر مقصد یہ ہے کہ فرد کے نفس میں توازن اور اعتدال پیدا ہو تا کہ فرد کے اعتدال سے معاشرے میں توازن پیدا ہو اور معاشرے کے توازن سے پوری انسانیت میں توازن پیدا ہوجائے۔ چنانچہ اسلام انسان کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے تاکہ اس کے دنیوی اور مادی میلانات میں توازن پیدا ہوسکے۔ مگر اس قدر تیزی اور شدت سے رفعت کی جانب نہیں لے جاتا کہ انسان کا دنیا سے رابطہ ہی منقطع ہوجائے اور مطلوبہ توازن پیدا نہ ہوسکے۔ اسلام کی عائد کردہ بندشیں معاشرے کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بھی فرد کے مفاد میں ہیں کیونکہ معاشرہ فرد کی ایسی نفسیاتی ضرورت ہے جس سے گریز ممکن نہیں۔ اس لیے اگر معاشرے کی بہتری کے لیے فرد پر کچھ حدود و قیود لگائی جائیں تو وہ بھی فرد کے وجود پر کوئی زیادتی نہیں' اس لیے کہ معاشرہ بھی تو افراد سے مل کر بنتا ہے جہاں اسلام انسان کے فطری محرکات تسلیم کرنے میں عیسائیت سے ممتاز ہے وہاں اسلام شہوتوں پر پابندی لگا کر فاسد مغربی افکار سے بھی ممتاز ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے اسلام اور نفسیات کے مغربی مکاتیب کی راہیں جدا ہوتی ہیں۔ یورپ کے ذہنی غلام اور تہذیب مغرب کے پرستار اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم انسان پر اس قدر بوجھل بندشیں کیوں عائد کریں۔ کیوں نہ اسے آزاد چھوڑ دیں تاکہ وہ بخوبی دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہو کر اور جسمانی دباؤ سے آزاد ہو کر جوش و جذبے کے ساتھ پیداواری عمل میں مصروف ہو سکے۔ معترضین اگر ذرا سا بھی غور سے دیکھیں تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ اسلام نے جو حدود و قیود متعین کی ہیں وہ فرد اور معاشرہ دونوں کے وجود کے تحفظ کے لیے لازم ہیں۔ جیسے کسی پہاڑی راستے کے گرد لگائی ہوئی حفاظتی باڑ کو کوئی ترقی پسند یہ سمجھے کہ وہ باڑ ڈرائیونگ کی آزادی میں رکاوٹ اور بے جا پابندی ہے۔ حالانکہ یہ باڑ تو اسے ہزاروں فٹ گہرے اس کھڈ میں گرنے سے بچانے کے لیے تحفظ کے طور پر لگائی گئی ہے۔ جس کی گہرائی کا اندازہ ڈرائیور کو بھی نہیں ہوتا حفاظتی باڑ لگانے کی ضرورت تو اسے محسوس ہوئی جس نے اس تمام پہاڑی علاقے اور راستوں کا سروے کیا ہوا ہے اور وہ اس تمام علاقے کے معاملات درست رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ جو کہ فرد کی تخلیق کے علاوہ پوری کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے' وہی اس کائنات کا نظام درست چلانے کا ذمہ دار ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کن راستوں پر چلنے میں انسان کی بقا اور دونوں جہانوں کی فلاح ہے۔ جن راستوں پر چلنے میں آزاد فرد کی بقا کو خطرہ ہو' یہ اندیشہ ہو کہ ان راستوں پر آگے جانے سے انسان ظلمت و گمراہی اور ذلت و

پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائے گا اور معاشی' معاشرتی' سیاسی اور اخلاقی طور پر اس کی موت واقع ہوجائے گی' ان راستوں کے آگے حفاظتی بند بنا دینا ہی درحقیقت فرد کی آزادی کا تحفظ ہے۔ چنانچہ قادر مطلق نے کمال خیرخواہی سے انسانیت کے لیے وہ انقلابی تعلیمات مہیا کیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان تمام خطرات سے بے پرواہ' آزاد فضا میں سانس لے سکے اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہو کر انسانیت کی معراج کو پالے۔

معاشرتی طور پر فرد کی آزادی کو جتنی اہمیت اسلام نے دی ہے اتنی کسی اور مذہب نے نہیں دی۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اسلام سے قبل جبکہ دوسرے مذاہب کا ستارہ عروج پر تھا' لیکن پورا معاشرہ آقا و غلام کے دو طبقات میں تقسیم ہو چکا تھا۔ غلام ہر طرح کے حقوق سے محروم تھا جبکہ آقا کو بے پناہ حقوق و اختیارات حاصل تھے۔ ان حالات میں صرف دین اسلام ہی تھا جس نے فرد کو غلامی کے طوق سے نجات دلائی اور آزادی کو اس حد تک اہمیت دی کہ اسلامی تعلیمات میں مختلف امور کے سلسلے میں غلام کی آزادی کو بطور شرط مقرر کیا تاکہ بلا واسطہ اور بالواسطہ ہر طریقے سے فرد کو غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ اگر قتل خطا اور گناہ کے کفارہ کا ذکر ہوا تو اسلام نے غلام کی آزادی کو مد نظر رکھا۔

و من قتل مومنا خطا فتحریر رقبة مومنة[۳۳]

میاں بیوی کے مابین ظہار کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس کا حل بھی غلام کی آزادی میں رکھا۔

والذین یظھرون من نساء ھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة[۳۴]

اگر کسی نے قسم کھائی اور اس کو پورا نہ کیا تو اس کا کفارہ بھی غلام کی آزادی رکھا۔

لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم و لکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مسکین...... او تحریر رقبة[۳۵]

اگر کوئی روزہ رکھ کر توڑ بیٹھا تو اس کے کفارے میں بھی غلام کی آزادی کو اولیت حاصل رہی[۳۶] زکوٰۃ جو کہ ارکان اسلام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اس کے مصارف میں بھی مکاتیب (جو غلام قیمت دے کر آزاد ہونا چاہے) کو شامل کیا۔

والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتکم[۳۷]

غلامی کے خاتمہ کی مندرجہ بالا صورتیں پیدا کرنے کے علاوہ اسلام نے رضائے الٰہی کی خاطر غلاموں کی آزادی کو اصل نیکی قرار دیا اور ایسا کرنے والے کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا۔

ولکن البر من امن باللہ... و اتی المال علی حبه... و فی الرقاب[۳۸]

غرضیکہ اسلام نے فرد کو آزادی جیسی نعمت عظمٰی عطا کرنے کے لیے ایسے انقلابی اقدامات کیے جس کے نتیجے میں اسلام ایک قلیل عرصے میں ہی غلامی کو جڑ سے ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ فرد کی آزادی کی خاطر اسلام کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانی قاصر ہے۔ اسلام نے فرد کو غلامی سے آزاد کرا کر بھی بے یارومددگار نہیں چھوڑا۔ بلکہ آزادی کے بعد بھی فرد کی جان و مال اور اس کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی ہے اور تحفظ کی یہ ضمانت کسی خاص طبقے یا محض مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ نسل انسانی کے لیے ہے۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا (۳۹)

اسلامی ریاست کے ہر شہری کو بلاامتیاز اپنی پسند کے مطابق کسی بھی جگہ سکونت اختیار کرنے اور عام حالات میں مملکت سے باہر دنیا کے کسی بھی حصے میں آنے جانے کی آزادی ہے۔ کسی فرد پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ کسی خاص جگہ رہے۔

و من یهاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مرغما کثیرا وسعة (۴۰)

الغرض اسلام نے معاشرتی طور پر فرد کو مکمل آزادی سے لطف اندوز کرنے پر اس حد تک زور دیا کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخلے کو ممنوع قرار دے دیا۔

یا ایها الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا (۴۱)

معاشی طور پر ہر فرد کو آزاد رکھنے کے لیے جہاں اسلام نے کسب معاش کی ترغیبات دی ہیں وہاں اکتساب مال اور صرف مال پر کچھ حدود اور پابندیاں بھی عائد کی ہیں۔ ان حدود و قیود کا فلسفہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کے فطری حقوق کو اس حد تک جائز قرار دیا ہے جس سے اجتماعی مفاد پر زد نہ پڑے۔ اور معاشرے میں معاشی توازن و اعتدال پیدا کرنے اور معاشی تفاوت و تفرق ختم کرنے کے لیے ایک متوازن نظام دیا۔ اسلام نے تقسیم دولت کا وہ منصفانہ نظام دیا ہے جس سے دولت اور سرمایہ چند ہاتھوں میں مرتکز ہوکر نہیں رہ جاتا اور معاشرہ معاشی طور پر دو متضاد طبقوں میں تقسیم ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اور فردیت و اجتماعیت میں ایک توازن اور اعتدال کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔

کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (۴۲)

فرد کی سیاسی آزادی چند الہامی قوانین اور اصولوں کی تابع ہے۔ یہ اصول اور ضابطے وہی ہیں جو فرد کے مفادات کا تحفظ بھی کرتے ہیں اور ایک اعلٰی فلاحی معاشرے کی تشکیل میں بھی نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام نے نیابت الٰہی کے تحت فرد کو حکمرانی کے اختیارات تفویض کیے ہیں۔ یعنی اسلامی ریاست کا حکمران ایک مطلق العنان حکمران نہیں بلکہ قانون الٰہی کی پیروی کرنے

والا اور ان کے عملی نفاذ کا ذمہ دار ہے۔ اسلام میں حکمران کسی طبقے، کسی خاندان اور کسی گروہ کا نمائندہ نہیں ہے بلکہ مسلمان حکمران مسلمانوں ہی میں سے ایک شخص ہوتا ہے جسے مسلمان باہمی مشورے سے اور اپنی پوری آزادی سے منتخب کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے، (نہ کہ اپنے قانون کو) اور اس شریعت الٰہی کو برپا کرے جس کی نظر میں تمام انسان انسانی شرافت اور حقوق انسانیت میں برابر ہیں۔ اس میں حاکم کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنے دیگر افراد کے ہیں اور حکمران کو صرف اس قدر امتیاز حاصل ہے کہ وہ لوگوں کا نگران اور ان کا محافظ ہے۔ اسلام نے ہر فرد کو ریاست اور حکومت پر تنقید کرنے کی عام آزادی دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ فرد کے لیے امیر کی اطاعت بھی فرض قرار دی تاکہ نظم اجتماعیت قائم رہ سکے اور معاشرے میں بدامنی، بے سکونی اور قانون شکنی کے محرکات پیدا نہ ہوسکیں مگر یہ اطاعت بھی مشروط ہے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (۴۳)

ایک عام شہری کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ قانون الٰہی سے انحراف کی صورت میں خلیفہ کا سرعام احتساب کرسکے۔ بلکہ اس عمل کو افضل جہاد قرار دیا۔

ان من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر (۴۴)

اسلام نے فرد کی سیاسی آزادی کا اتنا خیال رکھا کہ فرد پر کوئی خاص سیاسی نظام مسلط نہیں کیا بلکہ چند رہنما اصول دے کر سیاسی نظام مرتب کرنے میں فرد کی رائے اور مشورے کی اہمیت کو و امرھم شوریٰ بینھم (۴۵) نیز وشاورھم فی الامر (۴۶) فرما کر تسلیم کیا

اسلام ایک دین فطرت ہے۔ فطرت کے انہی تقاضوں کے مطابق انسان کی تخلیق کی گئی اور اسے عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے نوازا گیا جس کی بدولت اسے حق و باطل، نور و ظلمت، خیر و شر، بھلائی و برائی اور نیکی و بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی گئی۔ اسلامی تعلیمات کے ذریعے خسران و نقصان اور فلاح و نجات کے تصور سے بھی آگاہ کر دیا گیا اور اس کے بعد فرد کو مذہبی طور پر آزاد چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنی عقل و فہم کے مطابق چاہے تو خسران کا راستہ اختیار کرے، چاہے تو نجات کا۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (۴۷)

اسلام کے مطابق فرد مذہبی طور پر اس حد تک آزاد ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے بھی جس مذہب پر چاہے کاربند رہ سکتا ہے۔ ریاست کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ کرے اور ان کی عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کی حفاظت کی

ضمانت بھی دے۔ مگر جب کوئی فرد دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے تو وہ کچھ اسلامی تقاضوں کا پابند ہوجاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی فرد کو اسلام نے یہ آزادی عطا کی ہے کہ وہ حدود اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے دنیوی مسائل کے متعلق تصرفات میں آزاد ہے۔ فرد کے لیے ہر وہ عمل اور ہر وہ سوچ جائز ہے جو خلاف عقیدہ نہ ہو اور مفاد عامہ کے منافی نہ ہو۔ اسلام نے تو اعتقادی پہلو میں بھی صرف اصول عام ہی کو مدنظر رکھا ہے کہ خدا ایک ہے اور تمام انسان صرف اسی کے بندے ہیں اور اس کے بعد کی تفصیلات فرد پر چھوڑ دی ہیں۔ مسیحی کلیسا کی طرح لوگوں کو کچھ مخصوص افکار رکھنے پر مجبور نہیں کیا کہ جو یہ افکار نہ رکھے وہ مسیحیت سے خارج سمجھا جائے۔ جبکہ بذات خود یہ افکار عملی لحاظ سے درست بھی نہیں ہیں اس جبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی قوم کلیسا اور مذہب دونوں ہی سے باغی ہوگئی اور اکثریت نے مادر پدر آزادی پر مشتمل سیکولر تصورات کو اپنا لیا۔ ان بنیادی تصورات کا نعرہ چند مغربی مفکرین پہلے ہی بلند کرچکے تھے' اس طرح بے قید آزادی کے ان ملے جلے رجحانات نے مغربی معاشرہ کی بنیاد ان تین نکات پر رکھی کہ عورتوں اور مردوں میں مساوات ہو' عورتوں کا معاشی استقلال اور دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط۔ ان تین بنیادوں پر معاشرت کی تعمیر کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہی ہوا۔ مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں بلکہ تمدنی زندگی میں بھی عورت مرد کے شانہ بشانہ چلے۔ عورت کے معاشی استقلال نے اسے مرد سے آزاد اور بے نیاز کردیا اور اس کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ربط ایسا باقی نہ رہا جو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط سے عریانی' فحاشی' اور جنسی بے راہ روی کا ایسا سیلاب آیا کہ معاشرتی و اخلاقی اقدار خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ تعلیمی نظام' جو کہ ایسا عمل ہے جس سے انسانی سیرت و کردار کی تشکیل ہوتی ہے اور افراد کے اخلاق سنور جاتے ہیں۔ اس پر بھی جب مغرب کی بے لگام آزادی کا سایہ پڑا تو اس نے افراد کی تعمیر کرنے کی بجائے ان کے سیرت و کردار اور اخلاق تباہ کرکے رکھ دیئے۔ ترقی پسندی اور آزادی کی اس لہر میں نام نہاد فلاسفہ اور ماہرین کام آئے جنہوں نے یہ تعلیم دی کہ شرم و حیا اور عفت و عصمت کی قدریں سب اضافی چیزیں ہیں ان پرانے بندھنوں کو توڑ دو اور ان سے آزادی حاصل کرو۔ انتہا یہ کہ جدید مغربی مفکرین نے ایسے قبیح خیالات کو اخلاقی تربیت کا ذریعہ خیال کیا۔ برطانیہ کے مشہور ماہر تعلیم اور فلسفی برٹرنڈرسل (Burtrand Russal) نے تعلیمی نظام کی بہتری کے لیے تجویز پیش کی کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر یونیورسٹی کے اکثر طلباء عارضی بے اولاد شادی کرلیا کریں تو یونیورسٹی کی زندگی اخلاقی اور ذہنی

اعتبار سے بہتر ہو جائے۔"(۴۸) معاشرتی سطح پر اس تصور فکر و آزادی نے جو گل کھلائے اس کی انتہاء یہ ہے کہ بیسویں صدی کی تیسری دھائی میں ایک جرمن ڈاکٹر ہرشیفیلڈ (Hershefeld) ہم جنسیت اور غیرفطری فعل کے جواز کا نظریہ لے کر اٹھا اور بہت سارے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ بالاخر جرمن پارلیمنٹ نے کثرت آراء سے لواطت (غیرفطری فعل) کو ایک جائز قانونی فعل کا درجہ دے دیا۔

معیشت میں بے قید اور لامحدود آزادی نے کئی ایک برائیوں کو جنم دیا سرمایہ داری اور کیپٹلزم کی بنیاد ہی یہی تصور آزادی بنا۔ لامحدود ملکیت کے تصور نے کساد بازاری' اجارہ داری اور سرمایہ داری کی راہ ہموار کی۔ دولت اور سرمایہ چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گیا۔ سرمایہ دار نے اس بے قید اور مطلق آزادی کے فلسفہ سے فائدہ اٹھا کر جائز و ناجائز ذرائع سے مال جمع کر لیا۔ جس کی بدولت پوری دنیا غربت و افلاس میں مبتلا ہو گئی۔ دولت کی ناہموار تقسیم' سرمایہ داروں کی عیاشی' غریبوں کی فاقہ کشی اور اخلاقی قدروں کے فقدان نے کارل مارکس کے نظریہ اشتراکیت کے لیے زمین ہموار کرنی شروع کر دی۔ مزدور کی بے بسی جب انتہاء کو پہنچ گئی تو اس نے غضب ناک ہو کر کروٹ لی اور ہر قید و بند کو توڑ کر وحشی جانوروں کی طرح ایسا آزاد ہوا کہ سرمایہ اور سرمایہ دار کے ساتھ مذہب و اخلاق سبھی کو تہ تیغ کر کے رکھ دیا۔ روس کے خونیں انقلاب میں سرمایہ داروں کے ساتھ ساتھ مذہبی اجارہ دار بھی چن چن کر قتل کیے گئے اور مذہب و سرمایہ کی لاشوں پر اشتراکی مزدوروں نے ایک ایسی تنظیم تعمیر کی جس میں سرمایہ داری کے ساتھ مذہب اور خدا کو بھی خیرباد کہہ دیا گیا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی روشنی میں انسان اپنے حیوانی آباؤ اجداد کی خصلتوں کی طرف عود کرنے پر مجبور تھا۔ جنگل کے قانون کا نفاذ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ آج مغربی اقوام یو این او میں تمام بین الاقوامی مسائل اسی قانون کے تحت حل کیا کرتی ہیں' مظلوم اقوام کی کوئی شنوائی نہیں' زبردست قومیں کھاتی بھی ہیں غراتی بھی ہیں اور رائے شماری کے وقت مظلوم قوموں کو ہی مجبور بھی کرتی ہیں کہ ظالم کے حق میں ووٹ دیں ورنہ اپنے انجام کی فکر کریں۔ ایک نہیں ہزاروں مسئلے اس کے شاہد ہیں۔ تفصیلات سے تمام عالم کے اخبار بھرے پڑے ہیں۔

اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو معاشرے کے ہر فرد کو' چاہے اس کا تعلق کمزور طبقے سے ہو یا طاقتور طبقے سے' حاکم سے ہو یا محکوم سے' امیر سے ہو یا غریب سے' آزادی کے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔ اور اس کی نظر میں ہر فرد معاشی' سیاسی' فکری اور معاشرتی طور پر آزاد ہے۔ اور اسلام اس آزادی کے تحفظ کی ضمانت بھی دیتا ہے۔

✤✤✤

ماخذ و مصادر

۱۔ ابن منظور، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، دار بیروت، ۱۹۵۵ء ج ۴، ص ۱۸۱
۲۔ راغب اصفہانی، امام، مفردات فی غریب القرآن (ترجمہ محمد عبدہ الفلاح) مکتبہ قاسمیہ، لاہور، ص ۲۱۱
۳۔ لوئیس، المنجد، دارالاشاعت، کراچی نمبرا، ۱۹۶۰ء، ص ۲۳۷
۴۔ جبران مسعود، الرائد، بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۵۶۳
۵۔ انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی، فری پریس نیویارک، ۱۹۶۷ء، ج ۳، ص ۲۲۱
۶۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، ج ۹، ص ۴۳۲
۷۔ Laski, H. J. A Grammer of Politics, London 1970, P 142
۸۔ سید اصغر علی شاہ جعفری، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار، ص ۲۲۳
۹۔ L. C. Wanlas, Gattell's History of Political Thought, London 1964. P 346
۱۰۔ مودودی، ابوالاعلی، مولانا، اسلامی ریاست، ص ۴۰۸
۱۱۔ اللہ داد نادم عصری، جذبہ آزادی، ص ۱۸
۱۲۔ القرآن الحکیم، الاعراف : ۱۵۷
۱۳۔ القرآن الحکیم، آل عمران : ۷۹
۱۴۔ القرآن الحکیم، الانعام : ۱۱۵
۱۵۔ القرآن الحکیم، الزلزال : ۷، ۸
۱۶۔ القرآن الحکیم، البلد، ۱۰
۱۷۔ القرآن الحکیم، النجم، ۳۹، ۴۰
۱۸۔ القرآن الحکیم، فاطر، ۱۸
۱۹۔ محمد شفیع، مفتی معارف القرآن، ج ۸، ص ۷۷۵
۲۰۔ القرآن الحکیم، التین : ۴
۲۱۔ محمد شفیع، مفتی معارف القرآن، ج ۸، ص ۷۷۵
۲۲۔ القرآن الحکیم، بنی اسرائیل : ۷۰
۲۳۔ القرآن الحکیم، الاعراف : ۱۷۹
۲۴۔ القرآن الحکیم، البقرہ : ۳۴
۲۵۔ القرآن الحکیم، لقمان : ۲۰

۲۶۔ القرآن الحکیم، المائدہ : ۳۲
۲۷۔ القرآن الحکیم، المائدہ : ۳۲
۲۸۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۰۵
۲۹۔ صلاح الدین محمد، بنیادی حقوق، ص ۲۰۰
۳۰۔ محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار (مترجم ساجد الرحمٰن کاندھلوی) ص ۵۸
۳۱۔ محمد اسماعیل، رسول عربی اور عصر حاضر، ص ۳۲۶
۳۲۔ غلام احمد پرویز، منشور آزادی، ص
۳۳ القرآن الحکیم، النساء : ۹۲
۳۴۔ القرآن الحکیم، المجادلہ : ۳
۳۵۔ القرآن الحکیم، المائدہ : ۸۹
۳۶۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، ج ۱، ص ۶۸۸
۳۷۔ القرآن الحکیم، النور: ۳۳
۳۸۔ القرآن الحکیم، البقرہ: ۱۷۷
۳۹۔ المائدہ : ۳۳
۴۰۔ النساء : ۱۰۰
۴۱۔ النور: ۲۷
۴۲۔ الحشر: ۷
۴۳۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ
۴۴۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع، ج ۳، ص ۴۱
۴۵۔ القرآن الحکیم، الشوریٰ، ۳۸
۴۶۔ آل عمران : ۱۵۹
۴۷۔ القرآن الحکیم، البقرہ : ۲۵۶
۴۸۔ برٹرنڈ رسل، تعلیم اور معاشرہ (ترجمہ عبدالعزیز) لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۷